# اردو کے تین مشہور مثنوی نگاروں کا تقابلی مطالعہ۔

کلیدالفاظ: اردو، مثنوی نگار، تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر سید تاج الہُدا محمد یوسف خطیب'
صدر شعبہ اردو انجمن آرٹس اینڈ کامرس کالج بیلگاوی۔

**Abstract:**

Masnavi refers to a long poem in which a story or an event is described in sequence. Masnawi has the capacity to describe a long story in detail and used to write all kinds of essays. Moulana Altaf Hussain Hali has described this genre as the most useful and has expressed his regret that the Masnawi in Urdu poetry has not been given as much attention as it deserves. Masnavi is a narrative genre where the idea remains coherent. Poet connects the chain of events and the masnavi progresses gradually. Masnavi is a genre of poetry that has the potential to emerge as a long, coherent and complete poetic work. It is important to be noted here that Ghazal(lyric( can be recited even in low

leisure time with a less serious note and liberty but Masnaviis serious and sublime genre of literature

Hence needs grandeur of thoughts, supernatural elements standard diction.

An ecdotalism is the most important feature of Masnavi. The events narrated here can be natural or supernatural. There is room for every topic, like ethics and philosophy in Masnavi. Love stories have also been a special subject of Masnavi from ancient times. This makes it clear that the scope of Masnavi is very wide.

The art of Masnavi is the art of explanation. It is not possible to pen it in metaphors like we see it in a ghazal.Here events are to be narrated and have to be elaborated clearly to retain the interest of the readers.

---

## نصرتی۔

شیخ محمد نصرت بیجاپور کے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔آپ کا تخلص نصرؔتی تھا۔آپ ۱۶۵۶ء ۔ ۱۶۲۷ء کے دوران بیجاپور میں پیدا ہوئے۔والدین نے آپ کی تعلیم وتربیت کے لئے قابل اساتذہ کا انتظام کیا تھا۔جب آپ سن شعور کو پہنچے تو تحصیلِ علم کی پیاس بڑھتی ہی چلی گئی۔اس لئے آپ ذاتی طور پر کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے۔آپ کو شعروشاعری سے خصوصی لگاؤ تھا۔جب آپ کا علم ظاہر و باہر ہوا تو علی عادل شاہ نے آپ کو اپنے دربار میں حاضری کی دعوت دی۔علی عادل شاہ آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور آپ کی بہت قدردانی کی۔یہاں سے آپ کی ترقی کا دروازہ کھل گیا۔جب سلطان آپ کا علم دوست بنا تو آپ مقبول عام ہو گئے۔آپ کا خاندانی پیشہ سپہ گیری تھا مگر آپ کی طبیعت ادھر مائل نہ ہوئی۔عام طور سے نصرؔتی میدانِ شاعری میں اپنا استاد نہیں رکھتے تھے۔ایک شعر میں انھوں نے شاعری کے متعلق یوں کہا ہے:

نہ کچھ شاعری کسب کا کام ہے
کہ یہ حق کی بخشش کا انعام ہے

نصرؔتی شاعری کی ہر صنف پر اپنے قلم کو آزمایا ہے۔مگر مثنوی نویسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔آپ کے شہرت یاب مثنویاں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) گلشنِ عشق
(۲) علی نامہ

(۳) تاریخ اسکندری

مثنوی گلشن عشق کی وجہ تصنیف کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ شعراء کے محفل میں موجود تھے۔ فارسی شعراء کے کلام کی تعریف ہو رہی تھی اور دکنی شعرا ءکی تذلیل کی جا رہی تھی تو ایک شاعر نے نصرتیؔ سے اپنے کمال کو ظاہر کرنے کے لیے ان اشعار کے ذریعے ترغیب دلائی:

دکھن میں تو ں آج نصرت قریں
بلند شعر کے فن میں سحر آفریں

رکھے گا توں جس ٹھار اپنا قدم
سکت کس جو واں آسکے مار دم

مذکورہ بالا اشعار سن کر نصرتیؔ کے دل میں ایک عشقیہ مثنوی لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور آپ نے اپنے عزم کو عملی جامہ پہنایا۔ ''گلشن عشق'' نصرتیؔ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ جس میں تقریباً چار ہزار اشعار درج ہیں۔ یہ مثنوی حسن و عشق کی داستان ہے۔ اس زمانے کی مثنویوں کا عموماً موضوع عشقیہ داستان ہوا کرتا تھا۔ اس مثنوی کے اہم کردار منوہر اور مدمالتی ہیں۔ نصرتیؔ نے اس مثنوی میں اپنی صلاحیتوں کو خوب ابھارا ہے۔

مثنوی گلشن عشق صرف اپنی زبان و بیان اور فنی خوبیوں کی وجہ سے اہم نہیں ہے، بلکہ اسکی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس مثنوی کے ذریعہ اس دور کی تہذیب و معاشرت کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

''علی نامہ'' پڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعری کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے۔خشک تاریخی واقعات کو جس شاعرانہ حسن بیان کے ساتھ نصرتیؔ نے لکھا ہے وہ ایک ایسا کمال ہے جس تک کوئی دوسرا شاعر نہیں پہنچا۔طویل رزمیہ نظم لکھنا اور اس میں توازن، حسن اور شاعرانہ خوبصورتی کو ہر موقع اور ہر سطح پر قائم رکھنا کسی معمولی ذہن کے شاعر کا کام نہیں ہے۔ایک ایسے دور میں جب اردو زبان اظہار کے لیے معیاروں کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ ''علی نامہ'' عظمت کے مینار کا درجہ رکھتا ہے۔

نصرتیؔ کا قلم ایسی روانی اور چابک دستی سے خیال وجذبہ کو اظہار کے سانچے میں ڈھالتا ہے، اسکا تخیلِ فضا اور موضوع کو اس طور پر سمیٹتا ہے کہ میدان جنگ کے نقشے، فوجوں کے معرکہ آرائی، قلعوں کے محاصرے، تلواروں کی بسرش، نیزوں کی یورش، گھوڑوں کی چستی، فوجوں کا دبدبہ اور ساری کیفیات ومناظر کی جیتی جاگتی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔''علی نامہ'' میں نصرتیؔ نے تاثر کا صور پھونک کر تاریخی واقعات میں شاعرانہ اثر آفرینی کا عنصر شامل کر دیا ہے اور بھی تخلیقی عمل اسکی حقیقی عظمت کا ضامن ہے۔میدان جنگ کی ایک ہلکی سی جھلک ان چند اشعار میں دیکھیے:

کہنا کھن تے کھڑکا ں بوں شور اٹھیا
جوتن میں پہا ڑو ں کے لرزا چھو ٹیا

بلا نینا میں تھی سو ہو شیا ر ہو ئی
اجل خوا بِ غفلت تے بیدار ہو ئی

سلاحاں میں کھڑکاں جو دھسنے لگے
اگن ہور رکت مل برسنے لگے

ہو یاں لہو کیاں چھٹکاں ہوا پر بخار
سٹیں تیغ جیبا ں تے شعلے ہزار

انصرتیؔ کی تیسری مشہور مثنوی ''تاریخ اسکندری'' جسکا اصل نام ''فتح نامہ بہلول خاں'' ہے۔زبان کی شیرینی، تخیل کی پرواز اور چند الفاظ میں معنی کا دفتر بیان کر دینا نصرتیؔ کی شاعری کی وہ خصوصیات ہیں جو ہمیں اس دور کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں اس طور پر نظر نہیں آتیں۔بحیثیت شاعر نصرتیؔ قدیم اردو کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک ہیں۔آپ نے بزمیہ اور رزمیہ دونوں قسم کی طویل مثنویاں لکھ کر شا عرانہ عظمت کا لوہا منوایا ہے۔قصیدے میں آپکا نام سوداؔ اور ذوقؔ کا ساتھ لیا جا نا چا ہیئے۔

## ابن نشاطی

ابنِ نشاطیؔ کا اصل نام شیخ محمد مظہرالدین ابنِ نشاطیؔ تھا۔سن پیدائش کے تعلق سے صحیح تحقیق نہ ہوسکی ایک اندازے کے مطابق ۱۶۱۵ء مانی جاتی ہے۔البتہ جائے پیدائش حیدرآباد کی ہے۔ابنِ نشاطیؔ عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر تھے۔عبداللہ قطب شاہ اہلِ علم وادب کے قدرداں تھے سیاسی کشمکش، حیرانی و پریشانی کے آپ کا دربار با کمال شعراء وادباء سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ابنِ نشاطیؔ درباری شاعر ہونے کے علاوہ

ایک معزز شاہی عہدے پر فائز تھے۔ابن نشاطی کی مثنویوں کا جب ہم گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی مثنویوں کے موضوعات عشق حقیقی کے بجائے مجازی عشق کو اپنے محور و مرکز بنایا ان کی مثنویاں روایتی انداز کی لکھی ہوئی ہیں کیونکہ وہ دور خالص روایتی رہا ہے۔ پھول بن اردو کی اسی روایت کو ظاہر کرتی ہے۔ابن نشاطی کا اس مثنوی میں اسلوب اعلیٰ درجہ کا ہے انہوں نے اپنے تخیل کے بنیاد پر شاہکار بنایا۔شاہکار مثنوی ''پھول بن'' بہت مشہور و معروف ہے۔'' پھول بن''اصل فارسی میں لکھی ہوئی داستان کا ترجمہ ہے۔اس کی حقیقت کو خود ابن نشاطی حسب ذیل اشعار میں یوں اظہار کیا ہے

بسا تیں جو حکا یت فا رسی ہے
لطا فت دیکھنے کی آرسی ہے
چمن کے با غ کی بے با غبا نی
بسا تیں کی کئے سو ترجما نی

''پھول بن'' بھی سارے داستانی ادب کی طرح قصّہ در قصّہ کی تکنیک میں لکھی گئی ہے۔کہانی بیان کرنے کا طریقہ وہی ہے جو''الف لیلہ''میں ملتا ہے'اور نہ صرف اس دور کی مثنویوں میں بلکہ اس دور کی ساری منظوم و منثور داستانوں میں نظر آتا ہے۔ابن نشاطی نے ۱۳۴۷ءاشعار کی اس مثنوی میں سلیقے کے ساتھ اپنے شاعرانہ جوہر دکھائے ہیں۔چاندنی رات'طلوع وغروبِ آفتاب اور باغ کے مناظر کو دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔رزم و بزم کے نقشے بھی توازن کے ساتھ پیش کئے ہیں۔حتیٰ کہ نشاطی نے قصّہ در قصّہ کے بیان میں بھی فنی توازن کو برقرار رکھا ہے اور ہر مقام پر قصّے کے مرکزی کردار اور قصّے کی بنیادی اہمیت کا خیال بھی رکھا ہے۔مثنوی میں بہت سے

کردار ہیں نشاطیؔ نے ان کرداروں کے خدو خال کو قابل ذکر انفرادیت کے ساتھ، شعر کی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے کہ کردار ہمارے ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ مثنوی میں بادشاہ خواب میں ایک درویش کو دیکھتا ہے۔ نشاطی نے اس درویش کی تصویر کو یوں پیش کیا ہے کہ:

سو دیکھا خواب میں درویش کوں ایک دنیا کے عاقبت اندیش کوں ایک
ہے تن پر پیر ہن اوجلا چھیلا کمر باندیا ہے ایک باریک شیلا
بندیا ہے چھوڑ شملا سر پو دستار عصا پکڑیا ہے یک رنگین طرح دار
کہ ہے مکھ پر عبادت کا تجلّی لیا ہے بات میں اپنے مصلّی
اگر چہ لو ہو سوں سب آنگ خالی وے سجدے کی تھی اوس مکھ پو لالی
کھڑیا ہے آ کو یوں دربار انگے او شہنشا کے مبارک دار انگے او
کھڑے اُچھتے ہیں جیوں ہر ایک کوئی آ رضا کی انتظاری سات گویا

ایسی تصویریں پھول بن میں بار بار ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پھول بن کی ایک خصوصیت اسکا زور بیان ہے۔ اس زور بیان کو پید تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں۔ جس سے خیال واحساس اجاگر ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ ابن نشاطیؔ بنیادی طور پر انشا پرداز تھے لیکن اس دور میں شعروشاعری کی قدرومنزلت دیکھ کرانہیں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ ابھی اپنے جودتِ طبع کا اظہار شاعری کے ذریعے کرے۔ عالمِ جوانی میں آپ نے پھول بن لکھی اور یہ آپ کی شاعری کا پہلا اور آخری نمونہ ہے۔ پھول بن میں خود اس بات کی طرف کی اشارہ کیا ہے:

اہے انشا پو میرا میل دایم طبیعت کوں میری ہے حظ ملایم
سمجھ ہر کس کوں میرا طبع ہونا اگر میں ایک دکھا یا ہوں نمونا

نشاطیؔ کے یہاں پائے جانے والے فارسی رنگ و آہنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''ابن نشاطیؔ نے 'پھول بن' میں فارسی رنگ' اسلوب اور اندازِ فکر کے پھول کھلائے۔ اس تخلیقی رجحان کو قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ 'پھول بن' کے اظہار میں روانی آ گئی، اندازِ بیان سنور گیا اور ایک ایسی سادگی پیدا ہو گئی جو آج بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔'' پھول بن کی خصوصیت یہ ہے کہ حسنِ شعری کے جوہر نکھارنے کے لئے صنائع بدائع کو شعوری طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ قافیے کی صحت کا بھی خیال رکھا گیا ہے' اور فارسی فنِ شاعری کے ہنر کو بھی احترام کے ساتھ برتا گیا ہے۔ آج سے تقریباً سوا تین سو سال پہلے کی شاعری میں ابن نشاطیؔ کا یہ شعوری ہنر خاص اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ پھول بن کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس دور میں غزل کا مرتبہ دوسری اصنافِ سخن کے مقابلے میں سب سے بلند تھا۔ اور اس لیے ابن نشاطیؔ مثنوی لکھتے وقت اپنی نظم گوئی کا جواز پیش کرتے ہیں۔ غزل اور نظم کی یہ بحث' جو پہلی بار ابن نشاطیؔ نے اُٹھائی ہے، اردو فارسی میں آج بھی جاری ہے۔ نشاطیؔ نے لکھا ہے کہ اگر غزل نہ کہی جائے تو یہ کوئی خامی کی بات نہیں ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ آخر فردوسی اور نظامی نے کون سی غزلیں کہی ہیں۔ ابن نشاطیؔ قیاس آرائیاں کے مطابق ۱۶۶۵ء۔ ۶۶ء کے درمیان وفات پائی۔

## غواصی

غواصیؔ دکنی شعراء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کے دربار کے شاعر تھے۔ غواصیؔ نے مثنویاں' قصیدے' غزلیں' نظمیں اور رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ مثنوی نویسی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ وہ مثنویاں جن کے ذریعہ غواصیؔ کو ترقی و شہرت ملی درجِ ذیل ہیں۔

(۱) سیف الملوک بدیع الجمال (۲) طوطی نامہ (۳) ستونتی

مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال سے غواصیؔ کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا

ہے۔مثنوی دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔سیف الملوک بدیع الجمال وہ مثنوی ہے جس نے بیجاپور میں مثنوی نگاری کو نہ صرف رواج دیا بلکہ اس کے رُخ اور انداز کا دھارا بھی موڑ دیا۔ یہ مثنوی اپنے دور میں ایک نمونہ اور ایک مثال کی حیثیت رکھتی تھی۔سب سے پہلے مقیمی نے غواصیؔ کی تقلید میں ''چندر بدن ومہیار'' لکھی اور اعتراف کیا کہ:

تبع غواصیؔ کا باندیا ہو ں میں
سخن مختصر لیا کہ ساندیا ہو ں میں

اسی طرح آنے والے شعراء انہیں خراجِ تحسین ادا کرتے رہے۔نصرتیؔ نے کہا:

برے کچھ غوا صی تبی کر خیال
کیا تا زہ باغ '' بدیع الجمال''
(گلشن عشق)

غواصیؔ بیجاپوری نے کہا:

پُھر غوا صی قصّہ سیف الملوک
کہہ گیا کہ شعر کے فن سے سلوک

(ریاضِ غوثیہ)

''سیف الملوک بدیع الجمال'' کسی فارسی مثنوی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کا قصّہ الف لیلۂ سے اخذ کیا گیا ہے اور غواصیؔ نے اسے اپنے انداز میں نظم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ الف لیلۂ میں بادشاہ محمد بن سبائک اور تاجرِ حسن کے تحت سیف الملوک بدیع الجمال کا قصّہ بیان کیا گیا ہے۔جو ۷۰۷ ویں رات سے شروع ہوتا ہے

اور ۷۸ ویں رات پر ختم ہوتا ہے۔غواصیؔ کی سیف الملوک بدیع الجمال کا قصّہ اور اس کے کردار وہی ہیں جو الف لیلہٰ میں ملتے ہیں اور غواصیؔ نے جہاں اس میں تبدیلی کی ہے۔اس سے قصّے میں اور فطری پن پیدا ہو گیا ہے۔

سیف الملوک بدیع الجمال کی پہلی خصوصیت جو آج بھی متاثر کرتی ہے، سا دگی ہے۔غواصیؔ اپنی بات عام زبان میں بغیر مبالغے کے بیان کرتے ہیں۔آپ کے ہاں جذبات میں وہ شدّت نہیں ہے جو وجہی کے ہاں ملتی ہے۔مثنوی کے مطالعہ کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مختلف کیفیات و مناظر حسنِ قدرت بیان کرنے پر عبور حاصل ہے۔آپ مناظر کے بیان سے قصّے کو ابھارنے کا کام لیتے ہیں۔اور سراپا کی تصویریں مثنوی کی فضا بنانے کے لیے اختصار کے ساتھ سامنے لا تے ہیں۔

غواصیؔ کے ہاں دکنی اور پراکرتی الفاظ وجہیؔ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔اسلئے اس مثنوی کا اثر بیجاپور کے شعراء نے' اپنے مخصوص تہذیبی مزاج کی وجہ سے' جس کا ذکر بیجاپوری ادب کے سلسلے میں آچکا ہے' بمقابلہ ''قطب مشتری'' کے زیادہ قبول کیا ہے۔اس مثنوی نے بیجاپوری ادب میں انقلاب پیدا کر کے اس کا رُخ موڑ دیا ۔اس کی زبان مقیمی امین اور صنعتی کی زبان سے قریب ہے۔یہ وہ مثنوی ہے جس نے بیجاپوری اسلوب میں فارسی رنگ و آہنگ کو قبول کرنے کا رجحان پیدا کیا اور فارسی اصنا فِ سُخن کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

''طوطی نامہ'' غواصیؔ کے آخری دور کی تصنیف ہے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ بوڑھے اور فارغ البال کی زندگی گذار رہے تھے۔مثنوی کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ معیارِ شاعری' جس کا ذکر آپ نے ''سیف الملوک بدیع الجمال ''میں کیا تھا' اسے ''طوطی نامہ''میں بڑی حد تک حاصل کر لیا ہے۔طوطی نامہ میں

قدیم دکنی زبان کی وہ چھاپ، جو ''سیف الملوک'' اور ''مینا ستونتی'' میں نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''دکنی''، ''ریختہ'' کے لئے معیارِ سخن کی طرف بڑھ رہی ہے۔'' طوطی نامہ'' میں اثر افرینی کا عنصر بھی اسلئے بڑھ گیا ہے کہ اب غواصی کو اپنی بات اختصار کے ساتھ کہنے پر زیادہ قدرت حاصل ہوگئی۔ غواصی نے کچھ نظمیں جو حضرت علیؓ، غوثِ اعظم، پیر حیدر باشاہ، ملکہ حیات بخشی بیگم، شبِ برات، بقرعید، برسات وغیرہ کے موضوعات پر بھی لکھی ہیں۔ اردو شاعری کی روایت کو بنانے سنوارنے اور آگے بڑھانے میں انھوں نے ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی وہ تاریخی اہمیت ہے کہ ہم آج بھی ان کے بارے
میں جاننے اور معلومات حاصل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ وہ پل ہیں جن پر سے گذرے بغیر اردو روایت و تاریخ کی سیر نہیں کی جاسکتی۔